سنہ ہجری کی ابتدا

ابوالکلام آزاد

اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا کی متمدن قوموں میں متعدد سنہ جاری تھے۔ زیادہ مشہور یہودی، رومی اور ایرانی سنین تھے۔ عرب جاہلیۃ کی اندرونی زندگی اس قدر متمدن نہیں تھی کہ حساب و کتاب کی کسی وسیع پیمانے پر ضرورت ہوتی۔ اوقات و مواسم کی حفاظت اور یاد داشت کے لئے ملک کا کوئی مشہور واقعہ لے لیتے اور اس سے وقت کا حساب لگا لیتے۔ منجملہ سنین جاہلیۃ کے "عام الفیل" تھا یعنی شاہ حبش[1] کے حجاز پر حملہ کرنے کا سال عرصے تک یہی واقعہ عرب کے حساب و کتاب میں بطور سنہ کے مستعمل رہا۔ ظہور اسلام کے بعد یہ اہمیت خود عہد اسلام کے واقعات نے لے لی۔ صحابہ کرام کا قاعدہ تھا کہ عہد اسلام کے واقعات میں سے کوئی ایک اہم واقعہ لے لیتے اور اسی سے حساب لگاتے۔ ہجرت مدینہ کے بعد ہی سورۂ حج کی وہ آیت نازل ہوئی جس میں قتال کی اجازت دی گئی تھی۔

اذن للذین یقٰتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر[2] (حج - ۳۹)

اس لئے کچھ دنوں تک یہی واقعہ بطور ایک سنہ کے مستعمل رہا۔ لوگ اسے "سنہ اذن" سے تعبیر کرتے اور یہ تعبیر وقت کے ایک خاص عدد کی طرح یاد داشت میں کام دیتی۔ اسی طرح سورۂ براۃ کے نزول کے بعد بول چال میں "سنہ براۃ" کا بھی رواج رہا۔ عہد نبوی کا آخری سنہ "سنۃ الوداع"

---

[1] مراد ہے ابرہہ کا حملہ جو شاہ حبش کی طرف سے یمن کا حاکم تھا۔

[2] جن مومنوں کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی رخصت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے۔ اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔

تھا۔ یعنی آنحضرت (صلعم) کے آخری حج کا واقعہ جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہوگیا تھا، اور ہجرت کے دسویں سال پیش آیا تھا۔ بعض روایات سے اس طرح کے متعدد سنوں کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً سنۃ التمحیص، سنۃ الترفئہ، سنۃ الزلزال، سنۃ الاستیناس۔ بیرونی نے آثار الباقیہ میں اس طرح کے دس سنوں کا ذکر کیا ہے۔

آنحضرت (صلعم) کی وفات کے بعد کچھ عرصے تک یہی حالت جاری رہی، لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہد شروع ہوا تو ممالک مفتوحہ کی وسعت اور دفاتر حکومت کے قیام سے حساب وکتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے اور ضرورت پیش آئی کہ سرکاری طور پر کوئی سنہ قرار دے دیا جائے۔ چنانچہ اس معاملے پر غور کیا گیا اور سنہ ہجری کا تقرر عمل میں آیا۔ اس وقت تک واقعہ ہجرت پر سولہ برس گزر چکے تھے۔

احساس ضرورت اور مشورہ

سنہ ہجری کا تقرر عمل میں آیا تو کیوں حضرت عمرؓ اور تمام صحابہ کا ذہن اس طرف گیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا واقعہ ہجرت سے کی جائے؟ یہ تاریخ اسلام کا ایک ضروری اور نتیجہ خیز مبحث تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت تک نظر وفکر سے محروم رہا۔

اس بارے میں متعدد روایتیں منقول ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور روایت میمون بن مہران کی ہے جسے تمام مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ "ایک مرتبہ ایک کاغذ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا جس میں شعبان کا مہینہ درج تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: شعبان سے مقصود کون سا شعبان ہے؟ اس برس کا یا آئندہ برس کا؟ پھر آپ نے سر برآوردہ صحابہ کو جمع کیا اور ان سے کہا: اب حکومت کے مالی وسائل بہت زیادہ وسیع ہوگئے ہیں اور جو کچھ ہم تقسیم کرتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں ختم نہیں ہوجاتا لہٰذا ضروری ہے، حساب وکتاب کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اوقات ٹھیک طور پر منضبط ہوسکیں۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ ایرانیوں سے مشورہ کرنا چاہیئے۔ ان کے یہاں اس کے طریقے کیا تھے؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو بلایا۔ اس نے کہا: ہمارے یہاں ایک حساب موجود ہے جسے "ماہ روز" کہتے ہیں۔ اسی ماہ روز کو عربی میں "مورخہ" بنا لیا گیا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی حکومت کی تاریخ کے لئے جو سنہ اختیار کیا جائے، اس کی

ابتدا کب سے ہو؟ سب نے اتفاق کیا کہ ہجرت کے برس سے کی جائے۔ چنانچہ ہجری سنہ قرار پایا[1]

دوسری روایت ابن حبان نے قرہ بن خالد سے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے۔ اس میں ایک دوسرے واقعے کا ذکر کیا گیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس یمن سے ایک عامل آیا تھا۔ اس نے کہا لکھنے پڑھنے میں آپ لوگ تاریخ نہیں لکھتے۔ اس طرح کہ فلاں بات فلاں سنہ میں، سنہ کے فلاں مہینے میں ہوئی۔ اس پر حضرت عمرؓ اور لوگوں کو اس معاملے کا خیال ہوا۔ پہلے انھوں نے ارادہ کیا کہ آنحضرتؐ کے مبعوث ہونے کے وقت سے سنہ کا حساب شروع کر دیں پھر خیال ہوا کہ آپؐ کی وفات سے شروع کیا جائے لیکن آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ ہجرت سے سنہ کا تقرر ہو۔

ان روایات کی مزید تشریح امام شعبی کی روایت سے ہوتی ہے۔ جو محب طبری نے نقل کی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ:

ان ابا موسیٰ الاشعری کتب الی عمر انه تاتینا منك کتب لیس لها تاریخ وقد کان عمر دون الدواوین ووضع الاخرجة واحتاج الی تاریخ ولم یحب التاریخات القدیمه فجمع علیه عند ذلك واستشار الناس فاتفقوا علی ان یکون المبداء من الهجرة۔ (ریاض النضرة)

ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ آپ کی جانب سے ہمارے نام خطوط آتے ہیں مگر ان پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی۔ اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کے مختلف دفاتر قائم کر دیئے تھے اور خراج کے اصول و قواعد طے پا گئے تھے۔ اور اس سے محسوس کر رہے تھے کہ ضبط اوقات کے لئے ایک خاص تاریخ قرار پا جائے۔ پرانی تاریخیں موجود تھیں، لیکن وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ انہیں اختیار کریں۔ ابوموسیٰ اشعری نے لکھا تو انہیں زیادہ توجہ ہوگئی۔ صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ مشورہ میں سب کی رائے یہی قرار پائی کہ ہجرت کا واقعہ بنیاد ٹھہرا کر سنہ ہجری اختیار کیا جائے۔

حضرت علیؓ کی رائے ابوہلال عسکری نے "الاوائل" میں اور مقریزی نے تاریخ میں حضرت

---

[1] تاریخ کبیر، ذہبی و تاریخ مصر مقریزی۔

سعید بن المسیّب سے نقل کیا ہے کہ واقعہ ہجرت سے سنہ شروع کرنے کی رائے حضرت علی علیہ السلام نے دی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ :-

جمع عمر الناس فسألهم من ای یوم یکتب التاریخ؟ فقال علی بن ابی طالب من یوم هاجر رسول الله وترک مکه ففعله عمر۔ (کتاب الاوائل قلمی ومقریزی طبع ثانی جلد ۲ صفحہ ۵۶)

جب حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کس دن سے تاریخ کا حساب شروع کیا جائے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا، اس دن سے جس دن آنحضرت نے ہجرت کی اور مکہ سے مدینہ آئے۔

یعقوبی نے بھی اسے منجملہ ان امور کے قرار دیا ہے جو حضرت علیؓ کی رائے سے انجام پائے۔ ۱۶ء کے واقعات میں لکھتا ہے :-

وفیها ارخ عمر الکتب واراد ان یکتب التاریخ منذ مولد رسول الله ثم قال من المبعث، فاشار علیه علی ابن ابی طالب ان یکتبه من الهجرت، فکتبه من الهجرت۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۶۶)

اسی زمانے میں حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ ضبط کتابت کے لئے ایک تاریخ قرار دے دی جائے پہلے انہیں خیال ہوا آنحضرتؐ کی ولادت سے شروع کریں، پھر خیال کیا آپؐ کی بعثت کے واقعہ سے ابتدا کی جائے لیکن حضرت علیؓ نے رائے دی کہ ہجرت سے شروع کرنا چاہیئے۔

قومی سنہ کی ضرورت واہمیت

ان روایات کے مطالعہ کے بعد ضروری ہے کہ بعض امور پر غور کیا جائے۔ سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی، ایک نیا سنہ قرار دیا جائے؟ امام شعبی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ تاریخ کے تعین وتقرر کی ضرورت محسوس کر رہے تھے لیکن پسند نہیں کرتے تھے کہ دوسری قوموں کی تاریخ اختیار کریں۔ پہلی روایت میں جس ہرمزان کو بلانے اور مشورہ کرنے کا ذکر ہے، یہ خوزستان کا بادشاہ تھا اور مسلمان ہو کر مدینہ میں مقیم ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی مجالس شوریٰ میں اس کا بار بار ذکر آتا ہے[1]۔ بیرونی لکھتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ

---

[1] بلاذری، وطبری، وغیرہما۔

نے اس سے مشورہ کیا تو اس نے نہ صرف ایرانیوں کا طریقہ ہی بتلایا بلکہ رومیوں کے طریقے کی بھی تشریح کی۔ ایرانیوں کے یہاں کا آخری سنہ یزدگرد کا سنہ تھا اور رومیوں کا مشہور سنہ سکندر کی پیدائش سے شروع ہوتا تھا۔ بعض اصحاب کو خیال ہوا انہی دونوں میں سے کوئی سنہ اختیار کر لیا جائے' لیکن حضرت عمرؓ اور لوگ اس سے متفق نہ ہوئے[۱] اس سے معلوم ہوا کہ ایرانیوں اور رومیوں کے سنین مجمع صحابہ میں زیر بحث رہے اور بعض نے اسے اختیار کرنے کی رائے بھی دی لیکن عام رجحان اس طرف تھا کہ نیا سنہ مقرر کرنا چاہیئے۔

اجنبی سنہ سے اجتناب کیوں؟

اس حقیقت پر بھی نظر رہے کہ سنہ کی ضرورت اور استعمال کی بڑی جگہ حساب و کتاب کے دفاتر تھے اور حضرت عمرؓ نے بہ اتفاقِ صحابہ دفاتر کے لئے وہی زبانیں اختیار کر لی تھیں جو پیشتر سے مفتوحہ ممالک میں رائج تھیں۔ ایران کے لئے فارسی، شام کے لئے سریانی اور مصر کے لئے قبطی تھی[۲] ظاہر ہے کہ جب دفاتر کے لئے ایران و شام کی زبانیں اختیار کر لی گئی تھیں جو قدرتی طور پر سنہ بھی وہی اختیار کر لینا تھا جو ان زبانوں کے حساب و کتاب میں رائج تھا اور اس کے قواعد بندھے چلے آتے تھے لیکن حضرت عمرؓ اور صحابہؓ نے ایسا نہیں کیا۔ ایران اور روم و مصر کی زبانیں اختیار کر لیں مگر سنہ اپنا قائم کرنا چاہا۔ غور کرنا چاہیئے، اس اجتناب کی علت کیا تھی؟

صحابہ کرامؓ کے دماغ کا سانچا

اصل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم اور تربیت نے صحابہ کرام کا دماغ جس سانچے میں ڈھال دیا تھا جس میں دوسرے درجے کا کوئی خیال سما ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ صرف اوّل درجہ کے خیالات کے لئے تھا۔ بہت ممکن ہے دنیا کے تمدنی علوم و

---

[۱] بیرونی نے یہ تفصیل بن مہران کی روایت کے سلسلے ہی میں پیش کی ہے اور اس کے الفاظ روایت مندرجہ متن سے مختلف ہیں۔ چونکہ اس نے کوئی تخریج درج نہیں کی تھی، اس لئے حسب اصول فن روایت اس سے اساسی استدلال نہیں کیا جا سکتا تھا اس لئے ہم نے اوپر کی روایت میں اسے شامل نہیں کیا۔ (الآثار الباقیہ صفحہ ۳۰)

[۲] مسعودی و بلاذری۔

فنون کے رائج نہ ہونے کی وجہ سے وہ کوئی بات علمی طریقوں اور مصطلحہ لفظوں میں ادا نہ کر سکتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات وہ ایک بات کی علت اس شکل و صورت میں نہ دیکھتے ہوں، جس صورت میں آج دنیا دیکھ رہی ہے۔ لیکن ان کی طبیعت کی افتاد اور ذہنیت کی روش کچھ اس طرح کی بن گئی تھی کہ جب کبھی کسی معاملے پر سوچ بچار کرتے تھے تو خواہ علت و موجب سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں لیکن دماغ جاتا اسی طرف تھا جو علم و حکمت کے لئے بہتر سے بہتر اور بلند پہلو ہو سکتے ہیں۔ یہی معنی ہیں انبیائے کرام کے مقام "تزکیہ" کے کہ: "ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ"۔[1] (جمعہ: ۲)

یعنی دل و دماغ کی اس طرح تربیت کر دی جاتی ہے کہ ایک موزوں اور مستقیم سانچا ڈھل جاتا ہے۔ اب جب کبھی کوئی ٹیڑھی چیز اس میں رکھی جائے گی تو وہ قبول نہیں کرے گا اور موزوں چیزیں ہی اس میں سما سکتی ہیں۔

قومی زندگی کے بنیادی مقومات میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے جو قوم اپنا قومی سنہ نہیں رکھتی وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی۔ قوم کا سنہ اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے۔ یہ اس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحہ عالم پر اس کے اقبال و عروج کا عنوان ثبت کر دیتا ہے۔ یہ قومی زندگی کے ظہور و عروج کی ایک جاری و قائم یادگار ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی۔ کیونکہ سورج کے طلوع و غروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے۔ اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے۔ آج آگسٹس، بکرماجیت، جلال الدین ملک شاہ اور اکبر اعظم کے نام ان کے سنین کے اندر ہر روز ہمارے سامنے آتے ہیں اور ہمارا حافظہ ان سے گردن نہیں موڑ سکتا۔

سنہ اپنا ضروری تھا

ممکن نہ تھا کہ قومی زندگی کا ایک ایسا اہم معاملہ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کے سامنے آتا اور ان کا دماغ غلط فیصلہ کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کی دماغی تربیت غلط ہو جاتی کچھ ضروری نہیں کہ انہوں نے اپنے اس احساس کی کوئی توجیہ و تعلیل بھی کی ہو۔ نتائج و تعبیر اور تعلیل سے نہیں بلکہ فعل صحیح سے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ

---

[1] ان کے اخلاق کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔

اپنے اندر اس کے خلاف میلان پیدا نہ کر سکے۔ وہ باوجود غیر قوموں کی ہر طرح کی علمی و تمدنی چیزیں قبول کر لینے کے ان کا سنہ قبول نہ کر سکے۔ خود بخود ان کی طبیعت کا فیصلہ یہی ہوا کہ قومی سنہ سب سے الگ اور ایسا ہونا چاہیئے جس کی بنیاد اپنی تاریخ کے کسی قومی واقعے پر ہو۔ انہوں نے اپنے دفتروں کے لئے ایرانیوں اور رومیوں کی زبان لے لی۔ ان کے حساب و کتاب کے قواعد قبول کر لئے۔ ان کے حساب کی مصطلحات اور اشارات سے بھی انکار نہیں کیا۔ لیکن سنہ اور تاریخ لینے پر آمادہ نہ ہو سکے۔ یہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں ایک اینٹ تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ یہ اپنی ہو اور اپنے ہی ہاتھ سے رکھی جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اسلام نے جو ذہنیت ان کی پیدا کر دی تھی، اسے یہی کرنا تھا۔

بہر حال اس معاملہ میں پہلی بات جو قابلِ غور تھی وہ قومی سنہ کا تقرر اور اس کی اہمیت کا احساس تھا۔ بغیر کسی دُور دراز توجیہ کے اختیار کئے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عمرؓ اور اکابر صحابہ کی اس پہلو پر نظر تھی۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ قومی زندگی کی تقویم کے لئے قومی سنہ ضروری ہے اور اس لئے چاہیئے کہ یہ باہر سے نہ لیا جائے اندر ہی تیار کیا جائے۔

اس کے بعد دوسرا اہم نقطہ نظر واقعہ ہجرت کا اختصاص ہے۔ اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ سنہ کی ابتدا قرار دینے کے لئے جس قدر بھی سامنے کی چیزیں ہو سکتی تھیں ان میں سے کسی چیز کی طرف ان کی نگاہ نہ گئی۔ ہجرت نبوی کا واقعہ جو آغاز اسلام کی بے سرو سامانیوں اور کمزوریوں کی یاد تازہ کرتا تھا، اختیار کیا گیا۔ آخر اس کی علت کیا تھی؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لئے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں وہ اسلام کا ظہور تھا۔ داعی اسلام کی پیدائش تھی۔ نزولِ وحی کی ابتدا تھی۔ بدر کی تاریخی فتح تھی۔ مکّہ کا فتح مندانہ داخلہ تھا۔ حجتہ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل کا آخری اعلان تھا۔ لیکن ان تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرت مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ کسی پیدائش کا جشن ہے، نہ کسی ظہور کی شوکت، نہ کسی جنگ کی فتح، نہ کسی غلبہ و تسلط کا شادیانہ۔ بلکہ اس زمانے کی یاد تازہ کرتا ہے، جب آغاز اسلام کی بے سرو سامانیاں اور ناکامیاں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعیِ اسلام کے لئے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہو گیا تھا بیچارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن، اپنا گھر، اپنے عزیز و اقارب اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر

صرف ایک رفیق غمگسار کے ساتھ رات کی تاریکی میں، رہ سپارِ دشتِ غربت ہوا تھا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاملات میں قدرتی طور پر دوسری قوموں کے نمونے آیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کے سامنے بھی یہ نمونے موجود تھے، لیکن وہ ان کی تقلید پر آمادہ نہ ہو سکے اور انہوں نے بالکل ایک دوسری راہ اختیار کی۔

ہجرت مدینہ کی حقیقت

لیکن واقعہ ہجرت کیا تھا؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا، بے شمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہیئے۔

اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصولی عہدوں میں منقسم ہے۔ ایک عہد، مکہ کی زندگی اور اعمال کا ہے، دوسرا مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔ پہلا آنحضرت صلعم کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا غارِ حرا کے اعتکاف سے ہوتی ہے اور تکمیل غارِ ثور کے انزوا پر۔ دوسرا ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہے اس کی ابتدا مدینہ کی فتح سے ہوئی اور تکمیل مکہ کی فتح پر۔

دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دَور، دوسرا دَور تھا۔ کیونکہ اسی دَور میں اسلام کی پہلی غربت ختم ہوئی اور ظاہری طاقت و حشمت کا سر و سامان شروع ہوا۔ بدر کی جنگی فتح ہتھیاروں کی پہلی فتح تھی۔ مکہ کی فتح، عرب کی فتح کا اعلانِ عام تھی۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اس کی زندگی کا اصلی دَور، دوسرا دَور نہیں تھا، وہ دیکھتا تھا کہ اس کی ساری قوتوں کی بنیادیں دوسرے میں نہیں پہلے دَور میں استوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتھیاروں نے اپنی غیر مسخّر طاقت کا دنیا میں اعلان کر دیا۔ لیکن جو ہاتھ ان ہتھیاروں کے قبضوں پر جمے تھے۔ ان کی طاقتیں کس میدان میں تیار ہوئی تھیں؟ بلاشبہ مکہ کی فتح، عرب کی فیصلہ کن فتح تھی، لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی تو مکہ کی فتح کی راہ کیوں کر کھلتی؟ یہ سچ ہے کہ مکہ ہتھیاروں سے فتح ہوا لیکن مدینہ ہتھیاروں سے نہیں بلکہ ہجرت اور اس کے دَور کے اعمال سے فتح ہوا تھا۔ پس دوسرے دَور میں جسم کتنا ہی طاقتور ہو گیا ہو، لیکن اس کی روح پہلے ہی دَور میں ڈھونڈنی چاہیئے۔

پہلا دَور تخم تھا، دوسرا اس کے برگ و بار تھے۔ پہلا دَور بنیاد تھی۔ دوسرا استون و محراب

تھا۔ پہلا نشو ونما کا عہد تھا۔ دوسرا ظہور و انفجار کا، پہلا معنی و حقیقت تھا، دوسرا صورت و اظہار، پہلا روح تھا دوسرا جسم، پہلے نے پیدا کیا درست کیا اور مستعد کر دیا۔ دوسرے نے قدم اٹھایا، آگے بڑھایا اور فتح و تسخیر کا اعلان کر دیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو، لیکن اوّلین بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہے۔

داخلی استعداد کا دَور ظہور اسلام کا پہلا دَور جو بعثت سے شروع ہو کر ہجرت پر ختم ہوا اور جس کا نقطۂ تکمیل ہجرت کا معاملہ تھا۔ دراصل جماعت کی داخلی استعداد کا دَور تھا اور اس لئے ظہور اسلام کی تمام فتح مندیوں اور کامرانیوں کا مبدا یہی دَور تھا۔ نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دَور۔ بلاشبہ دنیا کی ظاہر بین نگاہوں میں یہ مصیبتوں کا دَور اور بے چارگیوں اور درماندگیوں کا تسلسل تھا۔ لیکن بباطن امتِ مسلمہ کی ہر آنے والی فتح مندی اس کی مصیبتوں اور کلفتوں کے اندر نشو ونما پا رہی تھی۔ یہی مصیبتیں تھیں جو "جماعت" کے ذہن و اخلاق کے لئے تعلیم و تربیت کا مدرسہ اور تزکیہ نفوس و ارواح کی امتحان گاہ تھیں۔ بدر کے فتح مند اسی کے اندر سبق لے رہے تھے۔ فتح مکہ کے کامران اسی کے اندر بن اور ڈھل رہے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یرموک اور قادسیہ کی پیدائش بھی اسی کی آزمائشوں اور خود فروشیوں میں ہو رہی تھی یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس جہاد کو تو صرف جہاد کہا جو مدنی زندگی میں اسلحہ جنگ سے کرنا پڑا تھا لیکن نفس و اخلاق کے تزکیہ و تربیت کا جو جہاد اس سے پہلے دَور میں ہو رہا تھا اسے "جہاد کبیر" سے تعبیر کیا کیونکہ فی الحقیقت بڑا جہاد یہی جہاد تھا۔

بالاتفاق سورہ فرقان مکی ہے۔ مکی زندگی میں جس بڑے جہاد کا حکم دیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا۔ صبر و استقامت اور عزم و ثبات کا جہاد تھا۔ اور انہی اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد کی اصلی بنیادیں تھیں۔

تکمیل کار کا اعلان ہجرت کا واقعہ اس دَور کی مصیبتوں کی انتہا تھا۔ اس لئے اس کی برکتوں اور سعادتوں کی بھی آخری تکمیل تھا۔ صحابہ کرام اس حقیقت سے

---

[1] فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جھاداً کبیراً۔ (فرقان: ۵۳)
سو منکروں کی بات نہ مان اور ان سے جہاد کر اس (قرآن) کے ساتھ بڑا جہاد۔

بے خبر نہ تھے اور کیونکر بے خبر ہو سکتے تھے۔ جب کہ ان کی دماغی تربیت کی اصلی روح اسی معاملہ میں مضمر تھی؟ پس جب یہ سوال سامنے آیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کس واقعے سے کی جائے، تو انہیں کسی ایسے واقعہ کی جستجو ہوئی جو امت کے قیام و اقبال کا اصلی سرچشمہ ہو۔ آنحضرت صلعم کی پیدائش کا واقعہ یقیناً سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اس کے تذکار میں شخصیت سامنے آتی تھی. شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا۔ بعثت کا واقعہ بھی سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن وہ معاملہ کی ابتدا تھی انتہا و تکمیل نہ تھی۔ بدر کی جنگ اور مکہ کی فتح عظیم واقعات تھے. لیکن وہ اسلام کی فتح و اقبال کی بنیاد نہ تھے. کسی دوسری بنیاد کے نتائج و ثمرات تھے۔ یہ تمام واقعات ان کے سامنے آئے لیکن ان میں سے کسی پر بھی طبیعتیں مطمئن نہ ہو سکیں۔

بالآخر جب ہجرت کا واقعہ سامنے آگیا تو سب کے دلوں نے قبول کر لیا کیونکہ انہیں یاد آگیا اسلام کے ظہور و عروج کا مبدائے حقیقی اسی واقعہ میں پوشیدہ ہے اور اس لئے یہی واقعہ ہے جسے اسلامی تاریخ کا مبدا بننا چاہیئے۔

مدینہ کی فتح

پھر یہ حقیقت کسی درجہ واضح ہو جاتی ہے. جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے کہ ظہور اسلام کی تمام فتح مندیوں میں سب سے پہلی فتح مدینہ کی فتح تھی اور اس کی تکمیل ہجرت ہی کے واقعہ سے ہوئی تھی۔ مدینہ کے ساتھ "فتح" کا لفظ سن کر تعجب ہوا ہوگا۔ کیونکہ تم صرف اسی فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی ہے، لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ میدانِ جنگ کی فتح سے بھی بڑھ کر دلوں کی آبادیوں اور روحوں کی اقلیموں کی فتح ہے اور اسی فتح سے میدانِ جنگ کی فتح مندیاں بھی حاصل ہوتی ہیں. عین اس وقت جبکہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہل وطن کی شقاوتوں سے مایوس ہو گیا تھا. باشندگانِ یثرب کی ایک جماعت پہنچتی ہے اور رات کی تاریکی میں پوشیدہ ہو کر اپنی روح کا ایمان اور دل کی اطاعت پیش کرتی ہے۔ اس وقت دنیوی جاہ و جلال کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ سیف و سنّان کی ہیبت و جبروت کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سر تا سر غربت اولی کی بے سر و سامانیاں اور عہد مصائب و محن کی درماندگیاں ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ یثرب کی پوری آبادی اس کے سامنے جھک جاتی ہے اور ایمان کے ایسے جوش اور عشق و اطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اس کے استقبال کیلئے تیار ہو جاتی ہے جو تاریخ عالم کے کسی بڑے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی میسر نہ آئی ہو گی۔

دلوں اور روحوں کی اس فتح و تسخیر سے بڑھ کر بھی اور کوئی فتح ہو سکتی تھی؟ لیکن یہ فتح کیونکر ہوئی؟ دورِ ہجرت کے آلام و محن میں اس کا آغاز ہوا اور ہجرت نے اس فتح کی تکمیل کر دی۔

واقعہ ہجرت اور فتح و نصرت الٰہی

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے واقعہ ہجرت کا ذکر اس طریقہ پر کیا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بے سروسامانی و عزیت کے اس عمل ہی میں فتح و نصرت الٰہی کی سب سے بڑی معنویت پوشیدہ تھی

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ (توبۃ ۴۰)

غار کے دو ساتھیوں میں سے جب ایک نے دوسرے سے کہا غم و رنج نہ کرو یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے اور اس کی مشیت و حکمت ہمارے لئے فتح و نصرت کی راہ باز کرنے والی ہے پھر ایسا ہوا کہ خدا نے اپنی تسکین و طمانیت اس پر اتار دی اور فتح و نصرت کے ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں دنیا کی ظاہر بین اور حقیقت ناآشنا آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان سرکشوں کی بات جو انکار کرتے تھے، ہمیشہ کے لئے پست ہو گئی۔ اور کلمۂ حق کو سربلندی اور کامیابی حاصل ہوئی۔

یہ آیت سورہ براءۃ کی ہے۔ سورہ براءۃ بالاتفاق اس وقت نازل ہوئی جب اسلام کی ظاہری فتح مندیاں تکمیل تک پہنچ چکی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تمام فتح مندیوں کے ظہور کے بعد بھی اس کی ضرورت باقی تھی کہ واقعہ ہجرت کی معنوی فتح مندی یاد دلائی جائے۔